ہر درخت اپنی جڑوں کے سہارے پروان چڑھتا ہے

شجرِ اسلام کی جڑیں پانچ ہیں

دِین کی جڑیں

مؤلف

پروفیسر سید محمد صادق رِضوی

دین کی جڑیں

ہر درخت اپنی جڑوں کے سہارے پروان چڑھتا ہے۔
شجر اسلام کی جڑیں پانچ ہیں۔

دینی معلومات کا سلسلہ

پروفیسر سید محمد صادق رضوی

فہرست مضامین

پہلی بات

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ.

وَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ یَحْضُرُوْنَ. اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.

(سننے والے اور جاننے والے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں،

شیطان کے وسوسوں سے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں

اس سے کہ وہ میرے پاس ہوں۔

بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد چودہ معصومین پر درود اور سلام ہو کہ اس حقیر کو یہ توفیق نصیب ہوئی کہ دینی معلومات کے سلسلہ کا ایک اور کتابچہ مومنین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اس سے قبل اعمال شہر خموشاں، اعمال شب جمعہ و جمعہ، ہدایت انسانی اور سید سجاد اور دین کی شاخیں مومن بھائیوں تک پہنچ چکے ہیں۔ اس طرح الحمد للہ یہ پانچویں سعادت ہوگی۔ خداوند عالم سے قبولیت کی دعا ہے۔

موجودہ کتابچہ دین کی جڑیں آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ بچوں کو اصول دین سمجھائے جا سکیں اور مصروف زندگی گزارنے والے

لوگ جو بڑی کتابوں کا مطالعہ نہیں کر پاتے وہ بھی کچھ تو دینی فرائض ادا کر سکیں۔

اسی بات کو سامنے رکھ کر میں نے اس کتاب میں 'قیامت' کے باب میں قبر کی پانچ آوازیں اور نہج البلاغہ سے حضرت علیؑ کا خط قاضی شریح کے نام شامل کیا۔ نیز دعائے عہد جس کی رسول پاکؐ نے موت سے قبل تلاوت کرنے کی بہت ہی تاکید کی، اردو میں کتاب کے آخری حصہ میں شامل کی اور اس کے بعد مصیبت اور غم دور کرنے کے لئے امام زین العابدینؑ کی تعلیم کردہ مختصر دعا عربی اور اردو میں درج کی تاکہ ائمہؑ کا کلام میرے ایمانی رشتہ دار اگر اصل کتابوں سے نہ پڑھ سکتے ہوں تو وہ اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔

عزیزم یوسف جمیل جو یہ کتابچہ شائع کرا رہے ہیں، کے لئے دعا ہے کہ خالق دو جہاں اُن کی اِس نیکی کو قبول فرمائے۔ نیز یہ کہ جس طرح انسان کارخانہ لگا کر مال کی پیداوار اور پھر اُس کی زیادہ سے زیادہ فروخت اور منافع کی فکر کرتا ہے اُسی طرح نیکی کی تجارت اور فائدہ کا خاص خیال رکھے یعنی دینی کتب کے مطالعہ کی اپنے آپکو اور اعزاء و احباب کو ترغیب دلائیں تاکہ آخرت کا کمیشن زیادہ میسر آئے۔

علامہ ذیشان جوادی اعلی اللہ مقامہ نے اِس سلسلہ میں حضرت امام علیؑ کے خطبہ ۱۳۲ کا خلاصہ اس طرح بیان کیا:

" انسانی زندگی میں کامیابی کا راز یہ نکتہ ہے کہ یہ دنیا انسان کی منزل نہیں ہے، بلکہ ایک گزرگاہ ہے، جس سے گزر کر ایک عظیم منزل کی طرف جانا ہے۔ اور یہ

خالق کا کرم ہے کہ اُس نے یہاں سے سامان لے جانے کی اجازت دیدی ہے۔ اور یہاں کے سامان کو وہاں کے لئے کارآمد بنادیا ہے۔

البتہ دونوں جگہ کا فرق یہ ہے کہ

یہاں کے لئے سامان رکھا جاتا ہے تو کام آتا ہے اور

وہاں کے لئے راہ خدا میں دے دیا جاتا ہے تو کام آتا ہے۔

غنی اور مالدار دنیا سجا سکتے ہیں لیکن آخرت نہیں بنا سکتے۔ وہ صرف کریم اور نیک افراد کے لئے ہے، جن کا شعار تقویٰ ہے اور جن کا اعتماد وعدہ الٰہی پر ہے۔"

میں علامہ کی تفسیر قرآن اور دوسری تحریروں سے بے حد متاثر ہوں اور میں نے اس کتابچہ میں آپ کے خیالات سے استفادہ کرتے ہوئے آخرت کی فکر اور کردار سازی کا مواد جمع کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ یہ البتہ قارئین ہی بتا سکتے ہیں کہ میں اس معاملہ میں کتنا کامیاب ہو سکا۔

میں اپنے مرحوم والدین کے لئے دعا گو ہوں جنہوں نے مجھے دینی ماحول میں پالا اور مجھے انجینیرنگ کی تعلیم بھی دلوائی کہ میں ۱۹۶۶ء میں بی ایس سی آنرز، ایم ایس سی (کیمیکل ٹکنالوجی) کی اسناد حاصل کرکے ٹکنیکل کالجز میں پروفیسر اور پرنسپل کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا رہا اور پھر ٹکنیکل بورڈ میں چیرمین کے عہدہ پر بھی فائز ہوا۔ اس طرح مجھے تقریر اور تحریر کے ذریعہ دینی خدمات انجام دینے کے مواقع بھی میسر آئے۔

میں نے اپنی اس تالیف میں دینی اور دنیاوی علوم کو سمونے کی کوشش کی ہے تاکہ طالب علموں کی دلچسپی کا سبب بن سکے لیکن میں اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے صاحبانِ علم اور فاضل شخصیات سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب میں جہاں کہیں کوئی خامی محسوس فرمائیں تو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم۔

وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْم۔

وَالسّلام علیکم

ورحمة اللہ وبرکاتہ

طالبِ دعا

محمد صادق رضوی

۳۲۔ الف، رضویہ سوسائٹی۔ کراچی

۶/جون ۲۰۰۳ء

عرض ناشر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ.

(پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ جو نعمتیں تو نے مجھے اور میرے والدین کو دی ہیں، میں اُن کا شکر ادا کروں) سورہ نمل آیت ۱۹

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پروردگارِ عالم کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں لہٰذا اُس کا شکر کیسے ادا کیا جا سکتا ہے؟ اور اگر ہمیں شکر کی توفیق میسر آجائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمت ہے جس پر ایک اور شکر لازم ہوگا۔ اگر ہم یہ بات سمجھ سکیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کا سچا جذبہ میسر آسکے گا اور ہماری عقل یہ سوچنے پر مجبور ہوگی کہ جن اعضاء یعنی ہاتھ، پیر، آنکھ، کان یا دل و دماغ یا عقل وفہم کو استعمال کر کے ہم اُس کی عبادت اور دنیا زمانے کے سارے کام یا کارنامے انجام دیتے ہیں اُن میں سے کون سی چیز ہماری ہے؟ اور اگر یہ سب کچھ اُسی کا عطیہ ہے تو پھر ہمارے ہر نیک عمل پر اجر وثواب یا انعام واکرام کا وعدہ بس اُسی کو زیب دیتا ہے جو ہم پر بے حد مہربان، نہایت رحم کرنے والا اور ہر طرح سے بے نیاز ہے۔

ہمارے آباؤ اجداد اس عارضی قیام گاہ کو چھوڑ کر چلے گئے اور یہ پیغام دے

گئے کہ ہم سب بھی آگے پیچھے اُسی سفر پر روانہ ہوں گے۔ اب ہم اپنا جائزہ لیں کہ ہم نے آخرت کے سفر کی کتنی تیاری کی۔ ہمارا اولین فریضہ ہے کہ ہم اپنے جملہ مرحومین خصوصاً والدین کو یاد رکھیں اور اُن کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کریں۔

اسی بات کے پیش نظر ہم پروفیسر سید محمد صادق رضوی کے مضامین جو بچوں کے رسالہ ''معصوم'' میں دین کی جڑیں کے عنوان سے شائع ہوتے رہے ہیں کو یکجا کرکے معمولی اضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کررہے ہیں جو انشاءاللہ تعالیٰ بچوں اور بڑوں کو اصول دین میں غور وفکر کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔

ہماری دعا ہے کہ خداوندِ عالم ہماری اِس حقیر کوشش کو قبول فرمائے، ہمارے جملہ مرحومین خصوصاً والدین وجدین (دادا، دادی، نانا، نانی) کی مغفرت فرمائے اور اُن کی برزخ کی منزلوں کو سہل وآسان فرمائے۔ آمین ثم آمین

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تعلیم کردہ دعائے غریق برائے سلامتی ایمان: (يَا اَللهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْب. ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ .) کے ساتھ خداحافظ:

طالب دعا

سید یوسف جمیل زیدی

B-197, Block-6,Gulshan Iqbal,

Karachi. (Tel: 9243584)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اُصول دین کا تعارف

ہم اپنے اردگرد بے شمار اونچی اونچی عمارتیں اور بڑے بڑے درخت دیکھتے ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ عمارت کا ایک حصہ ظاہر ہے اور ایک چھپا ہوا ہے اُس چھپے ہوئے حصے کو بنیاد کہتے ہیں۔ درخت کا بھی ایک حصہ نگاہوں کے سامنے ہے اور ایک نیچے زمین کی گہرائی میں جو نظر نہیں آرہا وہ ہیں درخت کی جڑیں۔

انسان اپنی عقل اور تجربہ سے بڑی بڑی عمارتوں کو دیکھ کر اُن کی بنیاد کا اندازہ لگاتا ہے اور اِسی طرح درخت کی مضبوطی کو دیکھ کر اُسے مٹی میں دبی ہوئی جڑوں کا پختہ یقین ہوتا ہے۔ یعنی ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عمارت بغیر بنیاد کے اور درخت بغیر جڑوں کے وجود میں نہیں آسکتا۔

"اصل" کا مطلب ہے جڑ یا بنیاد، اور اصل کی جمع ہے اصول یعنی جڑیں یا بنیادیں۔ دین کی جڑیں پانچ ہیں انہیں "اصول دین" کہا جاتا ہے۔

آپ سب بچے قوم کا سرمایہ بھی ہیں اور اپنے والدین کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت بھی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بچے نرم و نازک شاخ کی طرح ہوتے ہیں جنہیں موڑنا آسان ہے بہ نسبت سخت و خشک لکڑی کے۔

اصولِ دین میں غور و فکر کا حکم ہر دور کے علماء نے دیا ہے اور اس بات

پر پورا زور دیا کہ اُصولِ دین کو عقلی دلائل سے سمجھنا ضروری ہے اور یہ بات کافی نہیں ہے کہ والدین سے سن کر یا دوسروں کو دیکھ کر بغیر سوچے سمجھے خداوندِ عالم، اُس کے نبیوںؑ اور اماموںؑ کو مان لیا جائے۔

آج کے بچے سوال و جواب یعنی عقلی دلیل اور اچھی طرح سمجھ میں آنے والی باتوں سے ہی قائل ہوتے ہیں جو بہرحال ایک خوبی ہے۔ بچوں کی اس خوبی سے فائدہ اٹھانے کی اشد ضرورت ہے تو آیئے آج آپ سب دوستوں سے اصولِ دین کے بارے میں بات کرتے ہیں۔

اصولِ دین کو اصولِ اسلام و ایمان بھی کہتے ہیں جو پانچ ہیں۔

اول توحید، دوسرے عدل، تیسرے نبوت، چوتھے امامت

اور پانچویں قیامت۔

اسلام سر جھکانے کو کہتے ہیں اور ایمان دل کی آنکھ روشن ہونے کا نام ہے۔ شاید آپ سوال کریں کہ سر جھکانا تو آسان ہے لیکن ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ بات ایسی آسان نہیں کہ ظاہری طور پر گردن جھکا دی اور مسلمان کہلانے لگے بلکہ درحقیقت سر جھکانے کا تعلق دل سے ہے۔ یعنی دل اُصولِ اسلام و ایمان کو مکمل طور پر تسلیم کرلے اور اس کے ہر حکم کو دل سے مانے۔

آدمی جب انسانی صفات کو اپناتا ہے تو اِن اچھی صفات کی وجہ سے انسان کہلاتا ہے اور اِس کی آخری منزل کا نام دین ہے۔ دین اُن بنیادی اُصولوں کا نام ہے جن پر جزا و سزا کا فیصلہ رکھا گیا ہے۔ اِس منزل تک پہنچنے کے لئے مختلف راستے ہیں جنہیں شریعت کہتے ہیں۔ اِن کی تعداد پانچ ہے۔

شریعتِ نوحؑ، شریعتِ ابراہیمؑ، شریعتِ موسیٰؑ، شریعتِ عیسیٰؑ اور شریعتِ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آپ سب جانتے ہیں کہ کفارِ مکہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی دیکھ کر آپ کو صادق وامین مانا مگر جب آپؐ نے توحید کا پہلا درس دیا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ صرف زبانی اقرار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام ذاتی اُصول، عقائد اور اعمال چھوڑ کر اسلام کے قوانین پر عمل کرنا ہوگا جو اُس دور کے لئے قابل قبول نہ تھا۔

اب اگر ہم اِس دور کی بات کریں تو کلمہ پڑھنے والوں اور زوردار نعرہ لگانے والوں کے سامنے جب عمل اور اِصلاح کی منزل آتی ہے تو اُنہیں اپنے قدیم رسم ورواج نظر آنے لگتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا مگر کچھ ایسا لگتا ہے کہ گویا زمانہ بدل گیا مگر اہلِ زمانہ کی ذہنیت میں کوئی فرق نہ آیا۔

جب ہم کسی درخت کو ہرا بھرا دیکھتے ہیں تو یقین ہوتا ہے کہ اِس کی جڑیں صحیح وسالم ہیں اور کسی درخت کی شاخوں کا مرجھانا یا سوکھ جانا بتاتا ہے کہ اس کی جڑیں مردہ ہوگئیں۔ اِسی طرح اصولِ دین کا پختہ یقین اُسی وقت ثابت ہوگا جب فروعِ دین یعنی دین کی شاخیں ہری بھری ہوں۔ اِنسان کا کمال یہ ہے کہ وہ عبادت بطور رسم وعادت نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کے جذبے کے تحت انجام دے۔

خداوندِ عالم ہمیں صحیح معنوں میں عملِ صالح کی توفیق دے۔

توحید

اللہ تعالیٰ کا وجود تسلیم کرنا اور اسے ایک یعنی اکیلا ماننا ''توحید'' کہلاتا ہے جو دین کی بنیاد ہے۔ یہاں آپ کے ذہن میں ایک سوال آیا ہوگا کہ ہم نے اُسے ''ایک'' کہا اور پھر ''اکیلا'' تو دراصل بات یہ ہے کہ ہم جب روزمرہ کی زندگی میں لفظ ''ایک'' استعمال کرتے ہیں تو ذہن میں تصور ہوتا ہے کہ یہ ''ایک'' دو آدھوں کا مجموعہ ہے جیسے آپ کے حساب کتاب میں 1/2+1/2=1 جب کہ اللہ تعالیٰ کسی سے مل کر نہیں بنا اور وہ دو آدھوں کا حاصل جمع نہیں ہے۔

اسی طرح ذہن میں دوسرا خیال آتا ہے کہ ہم ایک روپے کو دو یا چار حصوں میں بلکہ 100 حصوں میں (ایک روپیہ=100 پیسے) میں تقسیم کرسکتے ہیں تو کیا خداوندِ عالم اس طرح کا ایک ہے؟ تو بھی ایسا بھی نہیں ہے بلکہ وہ اکیلا ہے۔

سورہ توحید میں جو لفظ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے استعمال کیا وہ ہے ''احد'' جس کا مطلب ہے ایسا ایک جو نہ دو یا زیادہ حصوں کا مجموعہ ہو اور نہ دو یا زیادہ حصوں میں تقسیم ہو سکتا ہو۔ ہم اپنی زبان میں اسے ''اکیلا'' ہی کہہ سکتے ہیں نیز یہ کہ وہ ہمیشہ سے اکیلا ہے اور ہمیشہ ہی اکیلا رہے گا۔

کائنات کس نے بنائی:

آج کل ہم سائنس اور ٹکنالوجی کے دور سے گزر رہے ہیں تو ہمارا ذہن ہر بات پر دلیل تلاش کرتا ہے۔ لہذا جب بھی کوئی چیز سامنے آتی ہے تو ہمارا ذہن فوراً سوال بناتا اور جواب تلاش کرتا ہے مثلاً ہم نے ایک میز دیکھی تو سوال بنا کہ یہ کس نے بنائی؟

دماغ نے جواب دیا۔ "ایک بڑھئی نے"۔

ہم نے ایک مسجد دیکھی۔ سوچا کہ یہ کس نے بنائی۔؟

دماغ نے بتایا۔ "ایک معمار نے"۔

ہم نے سائیکل دیکھی، سوچا، یہ کس نے بنائی۔؟

دماغ نے جواب دیا۔ "کارخانے والوں نے"۔

یعنی ہمارا ذہن یہ بات تسلیم کرتا ہے کہ ہر چیز کا کوئی بنانے والا ضرور ہے۔

انسان کی بنائی ہوئی چیزوں میں بہت سی ایسی ہیں جن کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جیسے ٹیلیفون، ریڈیو، ٹیلیویژن اور آج کل کا کمپیوٹر جس کی بدولت انٹرنیٹ جس سے انسان ساری دنیا سے رابطہ کر سکتا ہے۔ ہم ان چیزوں کا ذکر تے ہوئے اس لئے حیران نہیں ہوتے کہ یہ ہمارے استعمال میں ہیں لیکن ان چیزوں کا ذکر گزرے ہوئے زمانہ میں کیا جاتا تو کوئی ماننے کے لئے تیار ہوتا۔ لہذا اس سوال کا جواب کہ یہ کائنات کس نے بنائی؟ روز بروز آسان

ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی تو ہے کہ جس نے اتنی بڑی کائنات بنائی اور یہ کہ وہ بڑا حکیم (حکمت و دانائی والا)، قادرِ مطلق (ہر چیز اور ہر کام پر مکمل قدرت و اختیار رکھنے والا) اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔

کبھی تو نظر آئے:

لیکن اب ہم اِس سوال میں الجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے تو وہ کبھی تو نظر آئے۔

ایک حکایت ہے کہ ایک صاحب نے بہت غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ خدا کا وجود نہیں (معاذ اللہ) کیوں کہ اس دنیا میں جس چیز کا وجود ہے وہ نظر آہی جاتی ہے۔ اور جب اُن کا عقیدہ پختہ ہو گیا تو انہوں نے تبلیغ شروع کر دی۔ ایک دن وہ بہت ہی عمدہ ٹوپی، شیروانی پہن کر عالمانہ انداز میں تبلیغ کے لئے ایک گاؤں میں پہنچے اور لوگوں کو جمع کر کے کہا۔

"آپ لوگوں کو یہ درخت نظر آیا"

سب نے کہا "جی ہاں" "پس ثابت ہوا کہ درخت کا وجود ہے" ۔ وہ صاحب بولے۔

پھر انہوں نے بہت سی چیزوں کی طرف اشارہ کر کے اسی طرح کا سوال کیا اور جب سب لوگوں نے اُن چیزوں کو دیکھ کر اُن کا وجود تسلیم کر لیا تو فوراً وہ صاحب بولے کہ اچھا اب آخری سوال یہ ہے کہ کیا تمھیں کبھی خدا نظر آیا۔ ؟ سب نے کہا "نہیں" ۔ لوگوں کا جوش دیکھ کر وہ صاحب بہت خوش

ہوئے اور فوراً بولے "اس سے ثابت ہوا کہ خدا کا وجود نہیں ہے"۔ (معاذ اللہ)

مجمع میں سے ایک عقل مند نے ذرا وقفہ دے کر لوگوں کو مخاطب کر کے پوچھا کہ آپ لوگوں کو ان صاحب کی ٹوپی نظر آئی ؟ سب نے کہا "ہاں"۔ پھر اسی طرح شیروانی وغیرہ پر سوال پوچھ کر کہا کہ ثابت ہوا کہ ان کی ٹوپی کا وجود ہے اور اسی طرح شیروانی وغیرہ کا بھی وجود ہے۔ مگر یہ بتایئے کہ کیا آپ لوگوں کو ان کی عقل نظر آئی ؟ سب نے جوش سے جواب دیا۔

"نہیں بالکل نہیں"۔ "اس سے ثابت ہوا کہ ان کی عقل ہے ہی نہیں"۔ اس عقل مند آدمی نے کہا۔

سارا مجمع ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا اور منکرِ خدا کو وہاں سے بھاگنے ہی میں بہتری نظر آئی۔

اب یہ بات واضح ہوئی کہ خدا کے وجود سے انکار کرنے والے اگر یہ دلیل دیں کہ جب خدا ہے تو نظر کیوں نہیں آسکتا تو سب سے پہلے وہ اس بات پر غور کریں کہ اُن کی عقل کیوں دکھائی نہیں دیتی ! اس کائنات میں نہ معلوم کتنی چیزیں ہیں جنہیں ہم اپنی عقل یا مختلف تجربات سے معلوم یا محسوس تو کر سکتے ہیں لیکن آنکھ اُن کو دیکھ نہیں سکتی۔

بچو ! کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ کمپیوٹر کے تمام کام اور حیران کر دینے والے پروگرام سب کمپیوٹر کے سافٹ ویر (Software) کے محتاج ہیں جو ہے ہی نظر نہ آسکنے والا۔ اسی طرح پوری کائنات اُس خالق کی محتاج ہے جو حکمت اور دانائی سے ہر چیز کو کنٹرول اور منتظم کئے ہوئے ہے مگر دکھائی نہیں دے

سکتا۔

عقلی دلیل:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے خدا کے وجود کو عقلی دلیل سے سمجھانے کے لئے مرغی کا انڈہ دکھا کر فرمایا کہ یہ ایک مضبوط قلعہ کی طرح ہے جس میں ایک پتلی جھلی ہے جس کے ایک طرف سفید اور دوسری جانب زرد رنگ کا مائع ہے جو ساتھ ساتھ ہونے کے باوجود الگ الگ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنی حکمت سے انڈہ بنایا اور پھر اُسی سے رنگ برنگ کا خوبصورت بچہ جس کی چونچ، آنکھ، کان، پر اور پاؤں جیسے ظاہری حصّوں کے علاوہ جسم کے اندر کے تمام اعضاء اور جان بھی ہے باہر نکالا۔

کیا انسان کی عقل اب بھی یہ تسلیم نہیں کرتی کہ اس لمبی چوڑی اور کہاں سے کہاں تک پھیلی ہوئی کائنات کا کوئی بنانے والا ضرور ہے جو زبردست قدرت والا اور حکمت والا ہے۔

اسی طرح مولائے کائنات حضرت علیؑ نے انسانی وجود کو اس طرح پیش کیا کہ یہ ایک ایسا مخلوق ہے جو گوشت سے بولتا ہے، ہڈی سے سنتا ہے اور چربی سے دیکھتا ہے۔ پھر سوال کیا کہ ایسے اعضاء یعنی گوشت اور ہڈی کے ٹکڑوں میں ایسی صلاحیت کا پیدا کر دینا کیا اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی مضبوط ترین دلیل نہیں ہے۔ یعنی امیر المومنینؑ نے انسان کے اپنے وجود کو خالق کی محکم ترین عقلی دلیل قرار دیا۔

اگر دو خدا ہوتے!

بچو! اب تمہارے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ خدا کے ایک ہونے کی کیا دلیل ہے۔؟ تو بھئی تم نے بزرگوں سے سنا ہوگا اور یہی سچ ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوںؑ نے اور تمام آسمانی کتابوں نے ایک خدا کا ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی دوسرا خدا ہوتا تو وہ بھی اپنی طرف سے نبی اور کتابیں بھیجتا۔ مگر اتنی لمبی مدت گزرنے کے باوجود آج تک کسی دوسرے خدا کا وجود نہ تو کہیں بیان ہوا اور نہ کسی نے ثابت کیا۔

آپ روزمرہ کی زندگی میں غور و فکر کریں تو اس سوال کا جواب آسانی سے مل جائے گا کہ اگر دو خدا ہوتے تو کیا ہوتا؟ ہم سب جانتے ہیں کہ ایک ہی گھر کے دو افراد بھی مکمل طور پر ہم خیال نہیں ہوتے۔ ایک کچھ سوچتا ہے تو دوسرا کچھ اور۔ اس طرح تکرار، جھگڑا اور نظام میں خلل واقع ہوتا ہے۔

اگر دو خدا ہوتے تو کبھی بھی اتنی بڑی کائنات کا نظام اس طرح چلتا نظر نہیں آتا کہ درختوں کا ہر پتہ اور کائنات کا ہر ذرہ پکار کر کہے کہ میرا خالق بے مثل و بے مثال ہے، یکتا ہے، حکیم و دانا ہے۔ درختوں کا اُگنا، ہواؤں کا چلنا، پانی کا برسنا اور دریاؤں و سمندروں میں بہنا، سورج کا مشرق ہی سے طلوع اور مغرب میں غروب، موسم کا اپنے وقت پر بدلنا، آسمان و زمین کا قیام، یہ سب اللہ تعالٰی کی حکمت کی دلیلیں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر انسان کا دل گواہی دیتا ہے کہ خدا ایک ہی ہے۔

وہی تو خدا ہے!

حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ ۴۹ میں ارشاد فرمایا:

''وہ ذات ایسی ہے کہ جس کے وجود کے نشانات اِس طرح اُس کی شہادت دیتے ہیں کہ (زبان سے) انکار کرنے والے کا دل بھی اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

اور یہی بات حضرت امام جعفر صادق نے سمجھائی جب آپ نے ایک ایسے شخص سے جو خدا کے وجود کا انکار کرتا تھا پوچھا ''کیا تم نے کبھی سمندر میں کشتی کا سفر کیا ہے''۔ اُس نے کہا ''ہاں''۔ پھر آپ نے پوچھا کہ کیا کبھی ایسا ہوا کہ تمہاری کشتی طوفان میں گھر کر تباہ ہوگئی ہو؟

وہ شخص امامؑ کے کلام کو سن کر کچھ وقت کے لئے خیالات میں کھو گیا اور پھر چونک کر بولا۔ کہ آپ نے مجھے زندگی کا بہت خطرناک سفر یاد دلا دیا کہ جب میں کشتی کے ایک ٹوٹے ہوئے تختے سے چمٹا ہوا سمندری لہروں کے حوالہ ہو چکا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ بس اب موت کے منہ میں جارہا ہوں۔ امامؑ نے پوچھا ''اُس وقت تمہارا دل کس کو پکار رہا تھا؟

اس شخص نے جواب دیا کہ میرا دل اُس وقت ایک اَن دیکھی قوت اور ایک بہت بڑی طاقت کی طرف آس لگا کر پکار رہا تھا کہ اب آخری امید تجھ ہی سے ہے کہ بس تو ہی مجھے بچا سکتا ہے۔

امامؑ نے فرمایا 'جب انسان کی ساری امیدیں ختم ہو جائیں اور تمام

راستے بند ہو جائیں اور صرف موت ہی نظر آ رہی ہو تو دل جس طرف متوجہ ہو وہی اس کائنات کا مالک یعنی خدا ہے۔

دوسرے خداؤں کا انکار:

اب آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب ہر انسان کسی نہ کسی طرح یا کسی بھی وقت خدا کا وجود تسلیم کر لیتا ہے تو پھر مسلم اور غیر مسلم کی تمیز کیوں ہے۔؟ تو بھئی یہ سوال بہت اہم ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کو مان لینا توحید نہیں ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو معبود تسلیم کرنا اور دوسرے خداؤں سے انکار کرنا ضروری ہے اسی لئے ماں کی گود میں بچوں کو پہلا درس "لا الہ الا اللہ" (یعنی کوئی معبود نہیں ہے مگر اللہ) دیا جاتا ہے جو "کلمہ توحید" ہے۔

یعنی مسلمان وہ ہے جو پہلے جھوٹے خداؤں کا انکار کرے اور اپنے عمل سے اُن سب سے بیزاری کے ثبوت فراہم کرے اور صرف اور صرف اُس اکیلے خدا کو معبود تسلیم کرے جو پوری کائنات کا خالق، مالک اور مکمل قدرت و اختیار رکھنے والا ہے۔

ہم اپنی مادی آنکھوں سے اُسے نہیں دیکھ سکتے جبکہ عقل کی آنکھ ہر وقت ہر مقام پر اُس کے وجود کو محسوس کر سکتی ہے۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کل کائنات ایک خالق کی ایک

مخلوق ہے۔ اِس کے تمام اجزا میں مکمل تعلق اور اتحاد ہے۔ زمین کا کوئی ذرہ آسمان کے کسی ستارے سے بے تعلق نہیں ہے اور آسمان کی کوئی حرکت زمین کی تبدیلیوں سے بے گانہ نہیں ہے۔

کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا

جس پھول کو سونگتا ہوں بو تیری ہے

عقیدہ تثلیث کفر و شرک ہے:

بچو! خداوند عالم نہ کسی سے پیدا ہوا ہے نہ کوئی اُس سے پیدا ہوا اور اُس کی تمام صفات اس کی ذات سے جدا نہیں اور کوئی اس کی صفات میں شریک نہیں ہوسکتا لہٰذا توحید کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو ہر طرح کے ظاہری اور خفی شرک سے بچائیں جیسے عقیدہ تثلیث جو نصاریٰ کے ایک گروہ نے قائم کرلیا تھا جس میں جناب مریم، جناب عیسیٰؑ اور خدا سے تین خدا کا باطل عقیدہ بنادیا۔ سورہ نساء کی آیت ۱۷۱ میں اِس بات سے اِس طرح منع کیا گیا:

وَ لَا تَقُوْلُوْ ثَلٰثَةٌ یعنی اور نہ کہو تم تین خدا (مریم، عیسیٰ، اللہ تعالیٰ)۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نصاریٰ اُلوہیت کے تین عناصر کے قائل تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو باپ، حضرت عیسیٰؑ کو بیٹا اور حضرت جبرائیل کو روح القدس کہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ہر قسم کے باطل عقیدے سے محفوظ رکھے۔

عدل

عدل کا مطلب انصاف ہے اور یہ ایک انتہائی عمدہ اور پسندیدہ صفت ہے۔ انصاف کے لفظ کے ساتھ جو بات ذہن میں آتی ہے وہ ہے فیصلہ جو دو اشخاص یا دو گروہ کے درمیان کیا جاتا ہے یا ایک ہی شخص کے عمل کے دو پہلو جن میں سے ایک درست اور دوسرا غلط ہوگا، یہاں بھی فیصلہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لہذا جب تک فیصلہ کرنے والا تمام امور اور تمام اعمال کا اس لحاظ سے مکمل علم نہ رکھتا ہو وہ "انصاف" یعنی "عدل" نہیں کرسکتا۔ اور جو انصاف کرسکے اسے "عادل" کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا بخوبی علم رکھتا ہے اور تمام معلومات اس کے علوم اور قدرت کے سامنے کھلی ہوئی ہیں۔ حضرت علیؑ ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وہ دل کی نیتوں، اور اندر کے بھیدوں کو جانتا ہے وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر شے پر چھایا ہوا ہے۔"

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ توحید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کو انصاف کرنے کی مکمل قدرت رکھنے والا تسلیم کیا جائے۔ لیکن یہ کہ وہ انصاف کرنے پر مجبور نہیں ہے۔

تین دوست اور آٹھ روٹیاں!

پیارے بچو! میں تاریخ اسلام کا بہت مشہور واقعہ بیان کرتا ہوں تاکہ یہ بات دلچسپ اور آسان طریقے سے آپ لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔

ایک دفعہ دو دوست ایک ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تو ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین۔ اسی وقت تیسرا دوست آگیا اور کھانے میں شریک ہوگیا۔ سب نے برابر کھانا کھایا پھر تیسرے دوست نے آٹھ درہم (اس زمانے کے ۸ سکے) کھانے کی قیمت دی اور چلا گیا۔ پہلے دوست نے ۵ درہم لے کر ۳ درہم دوسرے دوست کو دیے مگر اس نے آدھی رقم یعنی ۴ درہم مانگے۔

وہ آپس میں جھگڑنے لگے تو فیصلے کے لئے حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ آپؑ نے ساری بات سن کر فرمایا کہ ۳ روٹیوں والے کو اُس کا دوست اگر ۳ درہم دے رہا ہے یعنی اِس تقسیم پر راضی ہے تو اُسے یہ رقم لے لینے میں کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ اگر میں عدل و انصاف سے فیصلہ کروں گا تو یہ رقم کم ہوجائے گی۔ تین روٹیوں والے دوست کو حیرانی ہوئی اور کہنے لگا کہ میں تو انصاف سے فیصلہ چاہتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں تمہاری خواہش پوری کرنے کے لئے تیار ہوں ۔۔۔ بچو! امامؑ نے حساب کا یہ سوال کیسے حل کیا یہ ابھی تو آپ کو آسان ضرب تقسیم اور جمع تفریق نظر آئے گا مگر جب تم انجینئرنگ کالج میں داخل

ہو گے اور وہاں اِس جیسے سوال حل کرو گے تو کچھ اور ہی مزہ آئیگا۔

کھانا کھانے والوں کی تعداد = ۳

پہلے دوست کی روٹیاں = ۵

دوسرے دوست کی روٹیاں = ۳

کل روٹیاں = ۵+۳=۸

روٹیوں کے حصے = کل روٹیاں x کل کھانے والوں کی تعداد

= ۸ x ۳ = ۲۴

ہر ایک کھانے والے کا حصہ = کل حصے / کل افراد = ۲۴ / ۳ = ۸

پہلے دوست نے ۵ روٹیوں یعنی

۵x۳ = ۱۵ حصوں میں سے ۸ کھائے اور باقی = ۷

دوسرے دوست نے ۳ روٹیوں یعنی

۳ x ۳ = ۹ حصوں میں سے ۸ کھائے اور باقی = ۱

تیسرے دوست نے ۷ حصے پہلے دوست کے اور ایک حصہ دوسرے دوست سے لیا لہٰذا آپؑ نے انصاف کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ پہلے دوست کے "۷" درہم اور دوسرے دوست کا "۱" درہم۔

امام معصوم اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے اُس میں بھی عدالت کی صفت پائی جاتی ہے۔ امیر المومنینؑ نے پہلے تو چاہا کہ آپس میں رضامندی سے معاملہ

طے کرلیں لیکن جب اُنہوں نے انصاف چاہا تو پھر امیر المومنینؑ نے عدل کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ سچ یہی ہے کہ جسے علم کی لذت کا احساس ہو جائے اُس کے لئے دنیا کی لذت کی کیا اوقات رہ جاتی ہے۔۔۔؟

اللہ کا عدل یا اسکا فضل!

آئمہؑ طاہرین کی دعاؤں میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اُس کی رحمت، فضل اور مغفرت مانگی جائے نہ کہ اُس کا عدل طلب کیا جائے۔

ہم غریبوں کی مدد کرتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر بڑے پیمانے پر امداد کی جائے جیسے جہیز بنا دیا یا مکان بنا دیا تو یہ سخاوت کہلاتی ہے۔ یہ احسان بھی ہے مگر کسی کو سڑک پار کروانا، تعلیم دینا، ملازمت دلوانا سخاوت نہیں احسان ہے۔ احسان کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اِس سے لوگوں کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔

لیکن بچو! اگر میں طالب علموں کو امتحان میں نقل کرنے میں مدد کروں تو وہ خوش ہونگے، ضرورت سے زیادہ نمبر دوں تو وہ اور خوش ہونگے۔ اگر میرا دوست مجھ سے کہے کہ تم یہاں کھڑے دیکھتے رہو کوئی آ تو نہیں رہا تاکہ میں تالا توڑ کر اطمینان سے چوری کرسکوں تو اگر میں نے اُس کی خواہش پوری کی اور وہ کامیاب ہو گیا۔ اِس نے شکریہ ادا کیا اور بہت ہی خوش ہوا۔ اب بتایئے کہ کیا میں نے اِن لوگوں کو خوش کر کے اِن پر احسان کیا؟

آپ سب کا جواب ہوگا ''نہیں''۔ کیوں کہ میرے یہ کام برے ہیں اور ظلم وناانصافی پرمبنی ہیں یعنی عدل وانصاف کے خلاف ہیں۔ تو اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ جو کام نیک ہیں وہ عدل کے مطابق ہوتے ہیں، اور جو کام برے ہیں وہ عدل کے خلاف کہلاتے ہیں۔ ایسے کاموں کو احسان نہیں کہہ سکتے اگرچہ دونوں صورتوں میں خوشی حاصل ہوتی ہو۔

اسی لئے خداوند عالم نے سورہ نحل کی آیت نمبر ۹۰ میں فرمایا ''بے شک اللہ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے''۔

قرآن میں بار بار عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو عدل کا حکم دے رہا ہے وہ یقیناً خود سب سے بڑا عادل ہے مگر وہ عدل کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ عدل اور احسان معاشرے کی اہم ترین ضرورت ہیں۔

حضرت امام زین العابدینؑ اپنی ایک دعا میں فرماتے ہیں۔

''ہمیں تیرے عدل کی تاب نہیں ہے اور تیرے عفو (معافی) کے بغیر ہم میں سے کسی کی نجات نہیں ہوسکتی''۔

عدل کیوں نہ مانگیں!

اب آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہوگا کہ عدل میں آخر ایسی کیا بات ہے کہ ہم لوگ اسے برداشت نہیں کرسکتے! تو میں ایک تاریخی واقعہ درج کرتا ہوں:

جناب عقیلؑ مولائے کائنات کے حقیقی بھائی تھے۔ سرکاری خزانے سے اُن کو جو وظیفہ ملتا تھا اُس میں اُن کے لئے گزارہ کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ ایک دن انہوں نے اپنے بھائی حضرت علیؑ سے جو اُس وقت کے حاکم تھے شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ اُنہیں سرکاری خزانے سے کچھ زیادہ رقم عنایت کریں تاکہ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ آرام سے گزارہ کر سکیں۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ سرکاری خزانے پر تمام مسلمانوں کا برابر کا حق ہے۔ سب کا وظیفہ عدل و انصاف کے تحت مقرر کیا گیا ہے لہٰذا اس میں اضافہ ممکن نہیں۔

جناب عقیلؑ نے اصرار کیا تو آپ نے کہا کہ چونکہ تم میرے بھائی ہو لہٰذا میں مہینے کے آخر میں جب تنخواہ تقسیم کروں گا تو اپنی آدھی تنخواہ تم کو دے دوں گا اور خود باقی تنخواہ میں گزارہ کرلوں گا۔

جناب عقیلؑ نے کہا کہ بھلا اتنی سی رقم سے میرا کیا بھلا ہوگا؟ مجھے تو سرکاری خزانہ سے زیادہ رقم چاہیے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ سرکاری خزانہ میری ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی امانت ہے مگر جناب عقیلؑ بحث ہی کرتے رہے۔ مولاؑ انہیں لے کر اوپر چھت پر چلے گئے اور سمجھاتے رہے مگر آدھی رات ہوگئی اور جناب عقیلؑ اپنی بات پر قائم رہے تو امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ ذرا نیچے بازار میں جھانک کر دیکھو۔ جناب عقیلؑ نے ایک نگاہ ڈالی اور حضرت علیؑ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

حضرت علیؑ بولے کہ ہم دونوں سامنے والے بازار میں جا کر کسی مالدار تاجر کی دکان کا تالا توڑ کر رقم نکال لیتے ہیں تاکہ تمھاری ضرورت پوری

ہو سکے۔ جناب عقیل چونک کر بولے۔ ''کیا ہم چوری کریں؟

امیر المومنینؑ مسکرائے اور فرمایا: ''عقیل! تم ایک تاجر کا مال چرانے کے خیال سے ڈر گئے اور مجھے تمام مسلمانوں کے مال میں ڈاکہ ڈالنے کا مشورہ دے رہے ہو۔''

جناب عقیل اس وقت تو کچھ نہ کہہ سکے مگر اُن کا مطالبہ ختم نہ ہوا۔ پھر ایک دن حضرت علیؑ نے جناب عقیل کو بلایا۔ جناب عقیل وہاں پہنچے تو حضرت علیؑ نے ایک لوہا آگ میں تپا رکھا تھا۔ آپؑ نے وہ تپا ہوا لوہا اُن کے قریب کر دیا۔ لوہے کی تپش سے جناب عقیل چیخے: ''علیؑ! کیا مجھے جلانے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

''حضرت علیؑ نے جواب دیا۔ ''نہیں میں تو تمہیں احساس دلا رہا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کی آگ کا تپا ہوا لوہا قریب آ جانے سے خوف سے چیخنے لگے اور مجھے اُس کی غضب سے بھڑکائی ہوئی آگ سے بے خوف تصور کرتے ہو!''

اب جناب عقیل نے حضرت علیؑ کی دعوت کر ڈالی۔ حضرت علیؑ تشریف لائے اور اُن کے گھر والوں کی تنگ دستی دیکھی۔ تو جناب عقیل نے پھر اپنا سوال دہرایا کہ میرا وظیفہ بڑھایا جائے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا کہ جب تمہارا گزارہ مشکل سے ہوتا تھا تو تم نے دعوت کیسے کر دی۔

جناب عقیل نے بتایا کہ میں آٹے کی ایک چٹکی روزانہ بچاتا تھا۔ اس طرح جمع ہونے والے آٹے سے آپ کے لئے ایک اضافی روٹی پکالی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا ''عقیل! تم ایک نے ایک چٹکی بچا کر ثابت کر دیا کہ تم کم راشن سے گزارہ کر سکتے ہو لہٰذا یہ ایک چٹکی اُس مسلمان کا حق ہے جو تم سے زیادہ غریب ہے۔

اب آپ سمجھے کہ عدل کرنا کتنا مشکل کام ہے اور اسی طرح عدل کو برداشت کرنا بھی!۔

عادل کی ظلم سے بیزاری:

عدل وانصاف کی ضد ظلم و نا انصافی ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے لہٰذا اُس نے فرمایا: اِنَّــهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰـلِمُوْنَ. یعنی ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ اور حضورِ پاک کا ارشاد ہے کہ ظلم کے نتیجہ میں نعمتیں چھن جاتی ہیں۔ اس طرح ظلم کے برے نتائج دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت کا عذاب بھی مقدر بنتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے ظلم سے بیزاری کا اِظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

''خدا گواہ ہے کہ اگر مجھے ہفت اقلیم کی حکومت تمام زیرِ آسمان دولتوں کے ساتھ دے دی جائے اور مجھ سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ میں کسی چیونٹی پر صرف اِتنا ظلم کروں کہ اُس کے منھ سے جو کا وہ چھلکا چھین لوں جو وہ چبا رہی ہے تو میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔''

نُبوت

زمین اور آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کو بجالانے پر مجبور ہے۔ یہ بات قرآن نے بھی بیان کی اور ہم نے درختوں کا اُگنا، چاند، سورج ستارے، سیارے اور پوری دنیا کے نظام کو ایک خاص طور اور طریقے سے چلتے ہوئے دیکھا تو ہم نے سوچا کہ خدا نے اتنی بڑی کائنات کس کے لئے پیدا کی جب کہ وہ خود ہر چیز سے بے نیاز ہے۔؟ قرآن نے بتایا کہ اس نے یہ کائنات انسان کے لئے بنائی اور انسان کو حکم دیا کہ وہ خشکی اور تری، آسمان اور زمین کی ہر چیز پر حکومت کرے اور ہر طرح کا فائدہ اٹھائے۔

جب خدا نے یہ عظیم کائنات ہمارے لئے پیدا کی تو اُس کی ذمہ داری قرار پائی کہ وہ ہماری مکمل رہنمائی بھی کرے تا کہ ہم ہر طرح کی غلطی سے محفوظ رہیں۔

انبیاء کی ضرورت!

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس ذمہ داری کو اس طرح سے پورا کیا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے جو اپنے زمانے کے لوگوں کو گمراہی سے بچاتے اور صحیح راستہ دکھاتے رہے۔ یہ سب نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے اور اسی نے ان کو مکمل علم دیا اور تبلیغ کا طریقہ سکھایا۔ ان سب انبیاء پر ایمان لانا دین کی

تیسری جڑ ”نبوت“ ہے۔

بچو! اب یہ بات سامنے آئی کہ انسان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں نبی بھیجنا ضروری سمجھا۔

اب ہم غور کریں کہ ہدایت کیا ہے؟ تو یہ بات اس طرح سمجھیں کہ ایک قافلہ کسی منزل کی طرف جارہا ہو اور وہ راستے میں کسی سے پوچھے کہ فلاں منزل کی طرف جانے کے لئے کس راستے سے جائیں؟ تو ظاہر ہے کہ صحیح راستہ وہی بتلاسکتا ہے جو قافلے کی منزل اور راستے کا مکمل علم رکھتا ہو۔

انسانی معاشرہ بھی ایک قافلہ کی طرح ہمیشہ حرکت میں ہے اور اسے صحیح راستے پر چلانے کے لئے انبیاء کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے۔

اب آپ روزمرہ کی زندگی سے ایک مثال لیں کہ موٹر ڈرائیور گاڑی چلارہا ہو تو ایک پہیہ جسے ”اسٹیرنگ وہیل“ کہتے ہیں اُس کے ہاتھ میں ہوتا ہے جسے گھما کر وہ سمت بدلتا رہتا ہے۔ کہیں اُسے گیر بدلنا اور کہیں گاڑی کی رفتار کم یا زیادہ کرنا ہوتی ہے اور کہیں بریک لگا کر گاڑی عارضی طور پر روکتا ہے، کبھی زیادہ دیر کیلئے اور کبھی اسے بند کردیتا ہے۔

یہی حال معاشرے کا ہے اُسے بھی صحیح سمت پر چلانے کے لئے یہی سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ کبھی اس کا رخ موڑنے کی ضرورت ہوتی ہے کبھی تیز چلانے کی کبھی ٹھہرانے کی۔ ہر کام سوچ سمجھ کر وقت پر کرنا ہوتا ہے۔ اسی بات کو مصلحت کہتے ہیں جو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ اس کائنات کا خالق خداوند عالم ہی بہتر سمجھتا ہے کہ کس زمانے میں کس کو ”ہادی“ اور ”رہبر“ بنایا جائے لہٰذا اُس

نے اپنے علم کے مطابق جسے مناسب سمجھا اُسے ایک خاص مدت کے لئے نبی بنا کر انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے بھیجا۔

سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ اور سب سے آخری نبی حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اِن سب انبیاء پر ایمان لانا اور اِن کی نبوت کا اقرار ضروری ہے۔

جن انبیاء کا نام قرآن مجید یا حدیث میں ہے!

وہ یہ ہیں حضرت آدمؑ، حضرت شیثؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت ذوالکفلؑ، حضرت موسٰیؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت داوٗدؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت یونسؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت عزیزؑ، حضرت یحیٰیؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت عیسٰیؑ اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

ان سب میں افضل حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسٰیؑ، حضرت عیسٰیؑ اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ان پانچوں کو "پیغمبران اولوالعزم" کہتے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں۔

انبیاء کیوں گناہ نہیں کرتے!

انبیاء کی ایک خصوصیت، عصمت (پاکی اور پاکیزگی) ہے۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی پہچان سے یقین اور ایمان کے اِس درجے پر آجائے اور اُسکے اندر اتنی پختگی پیدا ہو جائے کہ وہ پوری آزادی کے باوجود نہ تو گناہ کرے اور نہ ہی کسی گناہ کا خیال اُس کے دل میں آئے۔ دوسرے الفاظ میں اس بات کو اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ انسان اپنی تمام مشکلات، پریشانیوں اور مصیبتوں کے باوجود اپنی عقل اور فہم کے ذریعے غلطی اور گناہ کی باریکیوں کو اس طرح سمجھے کہ اُس کی طرف بالکل ہی رغبت اور رجحان کسی طرح اور کسی قیمت پر نہ ہو سکے۔

اب آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ تو اِس معاملہ میں غور کرنا آسان ہوگا اگر ہم خود اپنے آپ سے کچھ سوالات پوچھ لیں اور اُن کے جواب پر غور کریں۔

۱۔ کیا ہم نے شدید پیاس اور پانی نہ ملنے کے باوجود کبھی گٹر کا پانی پیا؟

۲۔ کیا ہم نے کھانا پکاتے ہوئے چمچے وغیرہ کی بجائے کبھی اپنا ہاتھ ہانڈی میں گھمایا؟

۳۔ کیا ہم نے کبھی ایک بلند مینار سے چھلانگ لگائی؟

۴۔ کیا ہم نے کبھی ایسی عمارت میں جانا پسند کیا جو آگ کی لپیٹ میں ہو؟

ہم سب جواب دیں گے کہ نہ کبھی ایسا کیا نہ سوچا۔ کیوں؟

اِس لئے کہ ہمیں اِس قدر پہچان ہے کہ اِن اعمال کے نفع و نقصان پر ہمیں یقین ہو گیا ہے اور ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ ان اعمال کے اثرات بڑے تکلیف دہ ہیں۔ لہٰذا اِن باتوں میں ہمارا علم اب یقین میں تبدیل ہو چکا ہے۔

توجن لوگوں کے اندر اس طرح کا یقین جتنا زیادہ ہوگا اُن کے اعمال اُتنے ہی پاک و پاکیزہ ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے اعمال کی اس پاکیزگی پر درجات مقرر کیے ہیں۔ جو عصمت اور طہارت کا مقام ہے۔

یقین بمقابلہ علم:

اگر ہم اچھی طرح سمجھ لیں کہ ''غیبت'' اور دوسروں پر طعنے قیامت کے دن مجسم ہوکر ہمارے سامنے آجائیں گے تو پھر ہمارے ذہن میں غیبت کا تصور بھی نہیں آسکتا۔ لیکن ہماری معلومات ہمارے تصور سے آگے نہیں نکلتیں تاکہ ہمارے دل پر اثر انداز ہوں۔ یہ علم ہے اور اس کو یقین نہیں کہا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بہت سے کاموں کو برا جانتے ہیں لیکن پھر بھی کرتے ہیں۔

اب آیئے اس بات پر بھی غور کریں کہ ہم سب جانتے ہیں کہ مردہ آدمی ایک مکھی کے برابر بھی طاقت نہیں رکھتا لیکن پھر بھی ہم مردے سے ڈرتے ہیں اور ایک رات بھی تنہا کسی لاش کے پاس نہیں گزار سکتے کیونکہ ہمارے علم کا دل پر اثر نہیں ہوا یعنی علم ابھی یقین اور ایمان میں تبدیل نہیں ہوا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مردے کو غسل دینے والا رات کی تنہائی میں مردے کے قریب بیٹھا رہتا ہے اور اُسے کسی وقت ڈر محسوس نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ ہمارے اور غسل دینے والے کے عمل میں فرق صرف علم اور یقین کا ہے۔

اب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ گناہ سے بچنے کی بنیاد گہرے علم، مکمل یقین اور حقیقی ایمان پر ہے جس کی وجہ سے انبیاء انسان ہونے کے باوجود گناہ سے بچے رہتے ہیں اور ''معصوم'' کہلاتے ہیں۔

کارِ نبوت!

بچو! ہم بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور اگر ہماری گاڑی خراب ہوجائے تو مکینک کے پاس لے جاتے ہیں صرف اِس لئے کہ ڈاکٹر ہمارے بدن اور مکینک ہماری گاڑی سے واقفیت رکھتا ہے، اگرچہ وہ ہماری طرح مہربان نہیں ہے۔ جبکہ ہم زندگی گزارنے کے لئے خداوند عالم کی طرف رجوع کریں تو وہی ہمارے رازوں سے سب سے زیادہ واقف ہے کیوں کہ اس نے ہمیں بنایا ہے اور وہی ہم پر سب سے زیادہ مہربان ہے لہٰذا وہی ہماری ہدایت کا انتظام کرسکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب ہم کسی کارخانے یا کمپنی کا مال یا پیداوار خریدتے ہیں تو اُسی کارخانے یا کمپنی کا انجینئر اُس کے استعمال کی ہدایت دے گا اور یہ صرف اُسی کا حق ہے کیوں کہ اُس نے یہ مال بنایا ہے۔

انسان ''کارخانہ قدرت'' کی پیداوار ہے لہٰذا خداوند عالم ہی اسے حکم اور ہدایت دے سکتا ہے۔ پس اُس نے اِنسان کی ہدایت کے لئے انبیاء بھیجے۔ یعنی انسان کی ہدایت کے لئے انبیاء اور آسمانی قانون کا آنا ایک ضرورت ہے اور اسکو قبول کرنا ہم انسانوں کا فرض ہے۔

اب بچو! آپ کے دل میں خیال پیدا ہوگا کہ جب ہماری اِس اہم ضرورت کو خداوند عالم نے پورا کردیا تو تمام انسان ہدایت یافتہ کیوں نہ ہوسکے اور ہر دور کے نبی کے ماننے والوں کی تعداد کم ہی کیوں رہی؟ تو اِس کا جواب

اللہ تعالیٰ کے کلام" آیتہ الکرسی" میں ہے کہ:" دین میں جبر نہیں ہے" یعنی خالق کا منصوبہ اور پروگرام یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو جبری اور زبردستی ہدایت کی دعوت دے۔

اسی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ زبردستی کرنا اور لوگوں کی آزادی چھین کر ان پر حکومت کرنا نہیں ہے بلکہ حکمت، دانائی اور اچھی اچھی باتوں کے ذریعہ لوگوں کو پروردگار عالم کے راستے کی طرف دعوت دینا ہے۔ خداوند عالم نے جتنے انبیاء بھیجے سب بشری صورت میں یعنی ہماری طرح کے انسان تھے لیکن اُن کا کردار عام انسانوں کے تصور سے بلند رہا۔ آخر کیوں۔۔؟

تو بچو! ہم ایک حکایت پر غور کرتے ہیں تا کہ ہم سمجھ سکیں کہ انبیاء کی اِمتیازی صفت کیا ہے۔

ایک شخص نے ایک ایسا تیل معلوم کیا جس کو پورے جسم پر مل کر وہ آگ کے شعلوں میں کود جاتا اور رقص یعنی ناچ کے ذریعہ لوگوں کو خوش کر کے ان سے پیسے کماتا۔ لوگ بڑی دلچسپی سے اُس کا کرتب دیکھتے۔ آہستہ آہستہ اُس تیل کی قدرو قیمت بڑھی اور پھر اُس میں ملاوٹ شروع ہوگئی۔

ایک دن جب حسب معمول وہ آگ میں کودا تو اس کا جسم جلنے لگا۔ اُس کے چیخنے چلانے سے لوگ سمجھے کہ نیا کرتب دکھا رہا ہے مگر وہ جلد ہی جل کر ہلاک ہوگیا۔ پس معلوم ہوا کہ جو تیل اُس کو آگ میں جلنے سے بچاتا تھا جب وہی ناقص ہوگیا تو بچت کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔

اسی طرح اگر انبیاء گناہ کریں یا غلطی وکوتاہی کرسکیں تو وہ اپنی اُمت کی کیا ہدایت کرسکیں گے؟ اور کس طرح ان کو جہنم کی آگ سے بچاسکیں گے؟

پس یہ بات سامنے آئی کہ خداوند عالم نے صرف ان لوگوں کو نبوت کا منصب عطا کیا جو گناہوں سے پاک رہ سکیں۔ نیز اُس نے انبیاء کو علم و فضل سے اس طرح نوازا کہ وہ اپنے زمانے کے ہر طرح کے کمال اور ہر قسم کی ترقی پر غالب آسکیں۔ یعنی جب لوگ اپنا کمال انبیاء کے مقابلہ میں لائیں تو اُن کو عاجزی اختیار کرنی پڑے اور اُن کا دل تسلیم کرلے کہ دنیاوی علم و فضل و کمال انبیاء سے مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اسی کو ہم انبیاء کا ''معجزہ'' کہتے ہیں۔

انبیاء کا مثالی کردار اور معجزے:

انبیاء کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے زمانے میں دھات سازی یعنی دھاتوں کو پگھلا کر مختلف چیزیں بنانے کا کام عروج پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو قدرت دی کہ وہ لوہا ہاتھ میں لے کر اُسے نرم کر دیتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جادوگر رسیاں پھینک کر سانپ بنا دیتے تھے لہٰذا حضرت موسیٰؑ کو ایسا عصا عطا کردیا جو اژدھا بن کر سانپوں کو نگل گیا اور اُس زمانے کا کمال زوال میں بدل گیا۔

حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں طب عروج پر تھا تو خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو ایسی طاقت دی جو کسی حکیم کے بس میں نہ تھی یعنی موت جیسے لاعلاج مرض کا علاج کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا۔ اسی طرح آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں فصاحت و بلاغت عروج پر تھی۔ لہٰذا خداوند عالم نے عرب کی فصاحت کے کمال کو زوال میں بدلنے کے لئے قرآنِ مجید عطا فرمایا جو قیامت تک کے لئے معجزہ ہے۔

انبیائے کرام کی قبریں:

مفاتیح الجنان میں درج کچھ انبیاء کی قبروں کی کیفیت اسطرح ہے۔

۱) حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ نجف میں حضرت علیؑ کے مرقد میں دفن ہیں۔

۲) حضرت ابراہیمؑ بیت المقدس کے نزدیک قدس خلیل میں، اُنکے پہلو میں اُنکی زوجہ جناب سارہ، جناب اسحاقؑ، جناب یعقوبؑ اور جناب یوسفؑ دفن ہیں۔

۳) حضرت اسماعیلؑ اور اُنکی والدہ جناب ہاجرہؑ مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کے ساتھ دفن ہیں۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ رکن (خانہ کعبہ کا ایک کونہ) اور مقام ابراہیم کا درمیان پیغمبروں کی قبروں سے بھرا ہوا ہے۔

۴) حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی قبریں بیت المقدس میں مشہور ہیں۔

۵) حضرت زکریاؑ کی قبر حلب میں مشہور ہے۔ جناب یونسؑ کے لئے شریعہ کوفہ میں مشہور بقعہ اور قبہ بنا ہے۔ حضرت ذوالکفلؑ کی قبر شط فرات کے کنارے کوفہ کے نزدیک ہے۔ جناب جرجیسؑ کی قبر شہر موصل میں اور جناب شیثؑ ہبۃ اللہ کی شہر کے باہر ہے۔ شوش میں جناب دانیالؑ کی قبر ہے۔

۶) جناب ہودؑ اور جناب صالحؑ کی قبریں نجف اشرف میں مشہور ہیں۔

۷) مشہور متبرک مسجدِ براثا میں جناب یوشعؑ کی قبر ہے جو بغداد اور کاظمین کے درمیان زائرین کے راستہ پر واقع ہے۔

امامت

ہمیں مختلف کام کرنے کے لئے ماہرین کی مدد یا رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح کائنات کے خالق کے بنائے ہوئے اصولوں پر زندگی گزارنے کے لئے بھی ماہرین کی مدد اور رہنمائی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ خداوندعالم نے ہماری اس ضرورت کو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے ذریعہ پورا کیا جو اسی کی طرف سے تعلیم و تربیت پا کر مختلف زمانوں میں ہدایت ورہنمائی کی ضرورت پوری کرتے رہے۔

یہ فیصلہ کہ کس زمانہ میں کس کو نبی بنایا جائے صرف خالق کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبوت کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم کردیا اور آپ کی آلؑ پاک سے ''امامت'' کا سلسلہ جاری کردیا۔

قرآن میں جو بنیادی باتیں ملتی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عہدہ اور مقام اللہ تعالیٰ ہی عطا کرسکتا ہے۔ لوگ نہ امام بنا سکتے ہیں نہ منتخب کرسکتے ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۴ میں ارشاد ہوا کہ یہ امامت کا عہدہ ظالمین تک نہیں جائے گا۔ یعنی خالق کائنات کی نگاہ میں امامت کا عظیم منصب صرف اُن مقدس لوگوں کا حق ہے جن کا عدل، عصمت اور طہارت درجہ کمال پر ہو۔

امامت کا تعارف:

ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے بارہ امام سب کے سب ایک ہی نور سے خلق کیے گئے اور یہ سب ہمارے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہیں۔ اب آپ جانشین کو سمجھنا چاہیں گے تو میں اس طرح سمجھاؤں کہ جب پاکستان بنا تو بہت سے مکان خالی ہو گئے۔ بہت سے لوگ ہندوستان سے پاکستان آئے اور اسی طرح بہت سے لوگ پاکستان سے ہندوستان چلے گئے اس طرح کسی حکیم کے مکان میں لوہار آ گیا اور کسی انجینئر کے مکان میں کسان آ گیا۔ اب چونکہ جانشین کا ترجمہ جگہ پر بیٹھنا ہے تو ہم نے لوہار کو حکیم کا اور کسان کو انجینئر صاحب کا جانشین کہہ دیا تو کیا ہماری بات درست مانی جا سکتی ہے۔؟

بچو! ہر شخص ہماری بات پر ہنسے گا اور کہے گا کہ جانشین کا ترجمہ کچھ بھی ہو مطلب صرف یہ ہے کہ جو جس کا جانشین ہے وہ اُس کے مکمل کام کو انجام دے یعنی حکیم کا جانشین حکیم اور انجینئر کا انجینئر ہی ہوگا بلکہ ہر حکیم اور ہر انجینئر بھی حقیقی جانشین نہیں ہو سکتا جب تک وہی علم اور وہی صلاحیت نہ رکھتا ہو جو پہلے حکیم یا انجینئر میں تھی۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت بالکل اُسی طرح ہمارے ہر امام نے اپنے اپنے زمانے میں پوری کی لہٰذا آپ

حضور پاک کے جانشین برحق کہلاتے ہیں۔

بارہ اماموں کے نام یہ ہیں: (۱) علیؑ ابن ابی طالبؑ، (۲) حسنؑ ابن علیؑ، (۳) حسینؑ ابن علیؑ، (۴) علیؑ ابن حسینؑ (زین العابدین)، (۵) محمدؑ ابن علیؑ (باقر)، (۶) جعفرؑ ابن محمدؑ (صادق)، (۷) موسیٰؑ ابن جعفرؑ (کاظم)، (۸) علیؑ ابن موسیٰؑ (رضا)، (۹) محمدؑ ابن علیؑ (تقی)، (۱۰) علیؑ ابن محمدؑ (نقی)، (۱۱) حسنؑ ابن علیؑ (عسکری) اور (۱۲) حضرت حجت ابن حسنؑ (القائم المہدی) جو ہمارے زمانے کے امام ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہماری نظروں سے غائب ہیں۔

"امامت نبوت کی قائم مقام ہے"۔ خداوند عالم نے یہ بات واضح کرنے کے لئے رسولِ خداؐ کو جب مکہ سے ہجرت کرنے کے لئے کہا تو حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلانے کا حکم دیا۔ حضرت علیؑ پوری رات چادر اوڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سوتے رہے اور چادر میں سے اُسی طرح نور چھن چھن کر باہر آتا رہا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ہوتا تھا لہٰذا کافر جو گھر کا احاطہ کئے ہوئے صبح ہونے کا انتظار کر رہے تھے وہ حضرت علیؑ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سمجھے اور حضور پاکؐ کی موجودگی میں ہی امامت کا تعارف ہو گیا کہ نبی اور امام ایک ہی نور سے ہیں۔

کیا امام بھی معصوم ہوتے ہیں!

چونکہ نبوت کی پوری ذمہ داریاں امامت پر آئیں ہیں لہٰذا یہاں بھی عصمت یعنی معصوم ہونا ضروری ہے۔

اب تو آپ لوگ گوشت وغیرہ کو ریفریجریٹر میں رکھ کر محفوظ کر لیتے ہیں پہلے زمانے میں گوشت کو محفوظ رکھنے کے لئے اُس پر نمک لگایا جاتا تھا۔ اُس زمانے کے ایک عقل مند کا قول ہے کہ ''ہر خراب ہونے والی چیز کو نمک لگاتے ہیں۔ افسوس اُس دن پر جب نمک ہی خراب ہوجائے'' یعنی جس چیز کے ذریعے کسی چیز کا علاج ہوسکتا ہے اگر وہی چیز خراب ہوجائے تو اُس وقت مکمل بربادی یقینی ہے۔

ہم چونکہ غلطی بھی کرتے ہیں، خطا کار بھی ہیں اور گنہگار بھی لہٰذا ہمارا ہادی رہبر یا رہنما نہ غلطی کرنے والا ہوگا نہ خطا کار اور نہ ہی گنہگار اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر وہی نمک والی مثال ہوجائے گی۔ لہٰذا ہمارا ہر امامؑ اُسی طرح معصوم ہے جس طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہدایت کا سلسلہ اسی طرح جاری ہے جس طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھا اور دین الٰہی اپنی اصلی حالت میں آج تک باقی ہے اور یقیناً قیامت تک رہے گا۔

بنجر اور زرخیز زمین!

اللہ تعالیٰ جو پوری کائنات کا خالق و مالک ہے اُس نے ہمیں نفس کی پاکیزگی، خالق کی بندگی اور عبادت کے ذریعے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کرنے کی دعوت دی ہے اور ہر ہادی کو یہی حکم دیا کہ لوگوں کو حکمت اور اچھے انداز کی نصیحتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلاؤ۔

ہدایت کا وسیلہ پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور ہدایت کو قبول کرنا ہم لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے خدائی ہدایت کو قبول نہیں کیا تو یہ بات بالکل اس طرح ہے کہ بارش برسانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جس سے پوری زمین سیراب ہوتی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بنجر زمین پر کوئی اثر نہیں ہوتا جبکہ ذرخیز زمین سے قسم قسم کے پھول، پھل، سبزیاں اور اناج وغیرہ یعنی خالق کی بے شمار نعمتیں ہمیں میسر آتی ہیں۔

اسی طرح انسانوں میں جہاں بے شمار لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور نبوت سے انکار کرنے والے اور امامت جیسی اللہ کی عظیم نعمت سے ہدایت حاصل نہ کرسکنے والے نظر آتے ہیں وہاں حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ، حضرت عبداللہ بن صامتؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت حذیفہؓ وغیرہ جیسے صاحبانِ ایمان کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ نبیؐ اور امامؑ کو سچا ہادی اور رہبر پایا اور اپنی استطاعت کے مطابق اس طرح فائدہ اٹھایا کہ ان حضرات کا کردار خود تقلید کے قابل بن گیا۔

کیا یہ ممکن ہے!

قرآن مجید کے سورہ شمس میں خداوند عالم نے سورج اور چاند کی قسم کھائی تو مفسرین نے لکھا کہ قسم یا تو بزرگ کی کھائی جاتی ہے یا محبوب ترین کی

جب کہ چاند اور سورج نہ تو خدا سے بزرگ ہیں اور نہ سب سے زیادہ محبوب۔
یہاں سورج سے مراد شمسِ نبوت یعنی آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چاند سے قمرِ امامت یعنی حضرت علیؑ۔

پس ہم نے امامت کو سمجھنے کے لئے چاند پر غور وفکر شروع کیا۔ جب ایک مرتبہ چاند نکلا اور اُس کا نام پوچھا تو جواب ملا ''رجب'' دوسری مرتبہ چاند دیکھا تو لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام ہے ''شعبان'' پھر اسی طرح رمضان، شوال، ذیقعد، ذی الحجہ، محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول اور جمادی الثانی یہ نام کل بارہ ہوئے۔

تو سوال پیدا ہوا کہ کیا چاند بارہ ہیں؟ جواب ملا نہیں چاند ایک ہے نام بارہ ہیں۔ کیوں کہ ہر نام سے مہینہ بنتا ہے۔ جسے قمری ماہ کہتے ہیں اور ہر نام کے مطابق شریعت کے احکام الگ الگ ہیں۔ ماہِ رمضان کی پہلی تاریخ کو روزہ فرض ہوتا ہے اور ماہِ شوال کی پہلی تاریخ کو روزہ حرام ہے اس دن عیدالفطر منائی جاتی ہے۔

تو بچو! اب تو مل گئی بہترین مثال کہ قمر (چاند) ایک ہے، نام بارہ ہیں اسی طرح قمرِ امامت کا نور ایک ہے اماموں کے نام بارہ ہیں تا کہ مختلف زمانوں میں حالات کے مطابق امام لوگوں کی ہدایت کرتے رہیں۔

ہم اماموں کی تاریخ پڑھتے ہیں تو سطحی مطالعے سے دھوکا ہوتا ہے کہ ہر ایک کی سیرت مختلف ہے۔ جیسے امام حسنؑ نے صلح کر لی اور امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں پورا کنبہ اور اپنی ذات قربانی کے لئے پیش کر دی۔ اس کا

یہ مطلب نہیں ہے امام حسنؑ صلح کا مزاج رکھتے ہیں اور امام حسینؑ نے جہاد کیا تو اُن کا مزاج جنگ جو ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اماموں کی سوچ بدلی نہ سیرت بلکہ حالات بدلے اور حالات کے تقاضے بدلے جس کی وجہ سے اماموں کے وقت اور حالات کا جو تقاضہ تھا اُس کے تحت کارِ ہدایت یا ''کارِ امامت'' انجام دیا۔

امام انسانیت کی ہدایت کی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے گئے۔ وہ اپنی نفسانی خواہشات سے کوئی کام نہیں کرتے بلکہ امر الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت زندگی کے جملہ امور انجام دیتے ہیں چنانچہ جب حضرت علیؑ نے جنگ کے دوران عمر بن عبدود کو زمین پر گرا دیا اور اسکے سینے پر سوار ہو کر قتل کرنے ہی والے تھے کہ اُس نے حضرت علیؑ کے چہرہ مبارک پر لعاب دہن ڈال دیا۔

حضرت علیؑ اُس کے سینے پر سے اتر آئے صرف اس لئے کہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے تھے اور غصے کی حالت میں آپ کا نفس اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ شامل ہو رہا تھا لہٰذا اُس وقت تلوار چلانا امامؑ کے منصب کے خلاف تھا۔ جب غصے کی کیفیت ختم ہوئی تو آپؑ نے اُس کا کام تمام کر دیا۔

اسی طرح امام حسنؑ نے صلح کی تو اذن الٰہی تھا اور امام حسینؑ نے جہاد کیا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اطاعت میں کیونکہ امامؑ اپنے نفس کی خواہش سے کوئی عمل انجام نہیں دیا کرتے۔

اب آیئے اس بات پر غور کریں کہ جس طرح چاند روشن ہو جب بھی

چاند ہے اور جب بادل میں چھپ جائے تب بھی چاند ہے اسی طرح ہمارے گیارہ امامؑ آسمانِ ہدایت پر نظروں کے سامنے رہے تو بھی وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہادی اور بارہویں امامؑ مشیتِ ایزدی سے نگاہوں سے پوشیدہ ہیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حجت اور اسی طرح ہادی اور امام جس طرح حضرت علیؑ سے امام حسن عسکریؑ تک جملہ آئمہؑ۔

بچو! اب ہم اپنے بچپن کی یاد کی ہوئی ایک رباعی درج کرتے ہیں:

اول امام شیعوں کے ہیں مرتضیٰ علیؑ
جن کو پکارتے ہیں مصیبت میں یا علیؑ
زوجہ علیؑ کی فاطمہؑ بنتِ رسولؐ ہیں
گیارہ امامؑ جن کے گلستاں کے پھول ہیں

امام شافعیؒ کی رباعی

(جس میں لفظ جنت کو پیش، زبر اور زیر لگا کر تین دفعہ مولا علیؑ کی شان بیان کی)

عَلِیٌّ حُبُّهُ جُنَّةٌ قَسِیْمُ النَّارِ وَ الْجَنَّةِ
وَصِیِّ مُصْطَفٰے حَقًا اِمَامُ الْاِنْسِ وَ الْجِنَّةِ

(ترجمہ) علیؑ کی محبت ڈھال ہے (عذابِ الٰہی سے)۔
آپؑ جنت اور جہنم کے تقسیم کرنے والے ہیں۔
خدا کی قسم آپؑ حضرت محمد مصطفےٰؐ کے وصی ہیں۔
آپؑ انسانوں اور جنوں کے امام ہیں۔

قیامت

قیامت کا دوسرا نام ''معاد'' ہے جس کا تعلق آنے والے زمانے یعنی مستقبل سے ہے۔ قیامت کب آئیگی اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ معاد (قیامت) کا مطلب ہے کہ مرنے کے بعد ایک مقررہ دن ہم سب اپنے جسم و روح کے ساتھ زندہ ہو کر میدانِ محشر میں حساب و کتاب کے لئے پیش ہوں گے۔ ہر مسلمان کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ قیامت کے دن زمین و آسمان کی تباہی و بربادی کے بعد مردوں کو دوبارہ قبروں سے اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا جہاں بدکاروں کو برے اعمال کی سزا اور نیک لوگوں کو ان کے اچھے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

تو بچو! اب آپ کو قیامت کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ نماز میں ہم درج ذیل 'دعائے قنوت' پڑھتے ہیں جو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰۱ ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً
وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

یعنی ''پروردگار ہمیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی نیکی عنایت فرما اور عذاب جہنم سے محفوظ رکھ۔''

جس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی کی دعا کی گئی ہے۔

حضرت علیؑ نے خطبہ نمبر ۸۰ میں فرمایا کہ دنیا دارِ فانی ہے جس کی ابتداء رنج اور انتہا فنا ہے۔

ہر شخص کی دنیا اُس کی زندگی ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ کتنی مختصر ہے جبکہ آخرت موت نہیں ہے بلکہ موت کے بعد کی زندگی ہے۔ جو کوئی بھی نہیں جانتا کہ کتنی لمبی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا فانی ہے یعنی ایک دن فنا (ختم) ہوجائے گی جبکہ آخرت کی زندگی باقی یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔

ہم جب کہیں جاتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ وہاں کتنی مدت کے لئے جارہے ہیں، یعنی سفر کی جتنی لمبی مدت ہوگی اتنی ہی زیادہ تیاری کرنی ہوگی۔

ہماری دنیاوی زندگی اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے۔ ہم جو کچھ اِس دنیا میں بوئیں گے وہی آخرت میں کاٹیں گے۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ گندم سے گندم اُگتی ہے اور جو بوئیں گے تو جو ہی اُگے گا، لہٰذا ہمیں آخرت کے لئے جو کچھ کرنا ہے اِسی زندگی میں کرنا ہے۔

سورۂ زلزال میں پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اُسے دیکھ کر رہے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی بدی کرے گا وہ اُسے بھی دیکھ لے گا۔

بچو! یہ باتیں بہت سچی ہیں اور ہمیں اِس طرف پوری توجہ دینی چاہئے۔ اِس ترقی یافتہ دور میں ہم اِس بات پر حیران نہیں ہوسکتے کہ خداوندعالم نے کس طرح ایسے فرشتے مقرر کردیئے جو ہماری پوری زندگی کی اچھی اور بری باتیں ریکارڈ کررہے ہیں اور ہم مرنے کے بعد اپنے تمام اعمال دیکھ لیں گے۔

جو لوگ کمپیوٹر سے واقفیت رکھتے ہیں وہ بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ہم نے مادی ترقی کے ذریعے کس طرح بڑے بڑے ریکارڈ چھوٹی سی ڈسک میں جمع کیے اور پھر ضرورت کے وقت چند لمحوں میں نہ صرف کمپیوٹر کی اسکرین پر کام کی بات تلاش کر کے دیکھ لی بلکہ اُس کے ساتھ پرنٹر لگا کر کاغذ پر مطلوبہ معلومات جتنی تعداد میں چاہا پرنٹ حاصل کر لیا۔

بچو! اِسی طرح ہماری زندگی کے سارے اعمال، نامہ اعمال کی شکل میں مرنے کے بعد ہمارے سامنے آجائیں گے۔

سورہ واقعہ میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ نیک لوگوں کا نامہ اعمال اُن کے داہنے ہاتھ میں ہوگا اور برے لوگوں کا بائیں ہاتھ میں۔

بچو! تم جانتے ہو کہ یہ وسیع و عریض دنیا کہاں سے کہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ پہاڑوں کی بلندیاں، سمندروں کی گہرائیاں، زمین و آسمان کی تہیں، فضاؤں کا سفر یہ اور ایسے نہ معلوم کتنے مقامات اور علاقہ جات ہیں جہاں تک انسان پہنچ بھی نہ سکا۔ اِسی لیے ابھی تک نئے انکشافات ہو رہے ہیں۔

آخرت کی منزلیں:

بچو! جب دنیا کی وسعت یعنی اس کا پھیلاؤ ہمارے تصور میں آنا مشکل ہے تو ذرا آخرت کی منزلوں پر غور کرو:

(۱) دنیا سے قبر تک (۲) قبر سے برزخ تک

(۳) برزخ سے حشر تک (۴) حشر سے نشر تک

(۵) موقف حساب سے میزان تک (٦) میزان سے پل صراط تک

اس کے بعد پل صراط سے گزر کر آخری منزل نہیں معلوم جنت ہوگی یا جہنم!۔

قبر کی پہلی منزل ہم سب دیکھ سکتے ہیں کہ غسل وکفن اور نماز کے بعد داہنی کروٹ قبلہ رخ لٹا کر قبر بند کر دی جاتی ہے۔اس وقت سے لے کر دوبارہ اُٹھائے جانے تک کی مدت ''برزخ'' کہلاتی ہے، جس کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔قبر میں مُردے کو دفن کرنے کے بعد دو فرشتے آتے ہیں جنہیں ''منکر ونکیر'' کہتے ہیں۔وہ مُردے کی رُوح کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جسم میں داخل کر کے سوال پوچھتے ہیں:۔

تیرا رب کون ہے۔؟، تیرا دین کیا ہے۔؟، تیرا پیغمبر کون ہے۔؟

تیرا امام کون ہے۔؟، تیری کتاب کیا ہے۔؟، تیرا قبلہ کیا ہے۔؟

جو شخص ایمان دار ہے اور اِن سوالوں کا صحیح جواب دیتا ہے تو وہ فرشتے اُسے جنت کی خوش خبری سنا کر چلے جاتے ہیں ورنہ دوزخ کی خبر اور آگ کے گرز۔ (خدا کی پناہ)۔حشر، نشر اور حساب سے روزِ قیامت ذرہ، ذرہ کا حساب کتاب جو بہت سخت ہوگا مراد ہے۔اور میزان، قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال کا خدا کی قدرت کی ترازو میں تولا جانا ہے۔

صراط ایک پل کا راستہ ہے، بال سے زیادہ باریک، تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور آگ سے زیادہ گرم۔جس شخص کا ایمان جتنا کامل ہوگا اُتنی ہی اُس کو اِس خطرناک راستہ سے گزرنے میں آسانی ہوگی جیسے آجکل کا طیاروں کا سفر اور جو لوگ گمراہ ہونگے وہ جہنم میں گر جائیں گے۔

قبر کی پانچ آوازیں:

جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ قبر انسان کو ہر روز پانچ آوازیں دیتی ہے۔

۱)اَنَا بَیْتُ الْوَحْدَةِ فَاحْمِلُوْا اِلَیَّ اَنِیْساً۔

میں تنہائی کا گھر ہوں جب میرے پاس آؤ تو کوئی انیس ساتھ لانا۔

(تلاوت قرآن قبر کی تنہائی میں انیس قبر ہے)

۲) اَنَا بَیْتُ الظُّلْمَةِ فَاحْمِلُوْا اِلَیَّ سِرَاجاً.

میں تاریک گھر ہوں جب تم میرے پاس آؤ تو چراغ ساتھ لانا۔

(نماز پنج گانہ اور تہجد قبر کا چراغ ہے)

۳) اَنَا بَیْتُ التُّرَابِ فَاحْمِلُوْا اِلَیَّ فِرَاشاً۔

میں مٹی کا گھر ہوں جب میرے پاس آنا تو فرش ساتھ لانا۔

(نیک اور صالح اعمال قبر کا آرام دہ بستر ہے)

۴)اَنَا بَیْتُ الدِّیْدَانِ فَاحْمِلُوْا اِلَیَّ تِرْیَاقاً۔

میں کیڑے مکوڑوں سے بھرا گھر ہوں، جب آنا تو تریاق ساتھ لانا۔

(صدقہ، خیرات وزکوۃ وخمس وغیرہ قبر کا تریاق ہے)

۵) اِنَا بَیْتُ الْفَقْرِ فَاحْمِلُوْا اِلَیَّ کَنْزاً۔

میں فقر وفاقہ کا گھر ہوں جب تم یہاں آؤ تو کوئی خزانہ ساتھ لانا۔

(قبر کا خزانہ محبت اور ولائے محمدؐ وآل محمدؐ ہے)

بچو! قرآن مجید کی سورہ ق کی آیات ۱۶ تا ۲۷ کا ترجمہ پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس طرح دنیا اور آخرت کی حقیقت سمجھائی اور وہ درج ذیل ہیں:۔

''ہم نے انسان کو پیدا کیا اور جو خیالات اُس کے دل میں گزرتے ہیں ہم اُس کو جانتے ہیں اور ہم اُس سے رگِ گردن سے زیادہ قریب ہیں۔ وہ جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو دو لکھنے والے ''کراماً کاتبین'' اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہوتے ہیں، وہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر یہ کہ ایک نگرانی کرنے والا اُس کے پاس موجود ہوتا ہے۔

اور موت کی بے ہوشی ضرور طاری ہوگی کہ یہی وہ بات ہے جس سے تو بھاگا کرتا تھا۔ اور پھر صور پھونکا جائے گا کہ یہ عذاب کے وعدہ کا دن ہے۔ اور ہر شخص کو اس انداز سے آنا ہوگا کہ اس کے ساتھ ہنکانے والے اور گواہی دینے والے فرشتے بھی ہونگے۔ یقیناً تم اس کی طرف سے غفلت میں تھے تو ہم نے تمھارے پردوں کو اٹھا دیا ہے اور اب تمہاری نگاہ بہت تیز ہوگئی ہے۔

اور اُس کا ساتھی فرشتہ کہے گا کہ اس کا عمل میرے پاس تیار موجود ہے۔ حکم ہوگا کہ تم دونوں ہر ایسے سرکش ناشکرے کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دو جو اچھے کاموں سے روکنے والا تھا، حدوں سے آگے بڑھ جانے والا تھا، دین میں شک کرنے والا تھا۔ اب تم دونوں اس کو سخت سزا میں ڈال دو۔

اس وقت اس کا ساتھی ''شیطان'' کہے گا ہمارے مالک! ہم نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو خود سخت گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔''

آخرت کا تصور!

اسلام نے اچھا کھانے پینے، آرام و آسائش مہیا کرنے یا مال دار ہونے پر پابندی نہیں لگائی بلکہ صرف حلال و حرام میں تمیز کا حکم دیا ہے۔ دین میں زکوٰۃ اور خمس کا واجب ہونا اِس بات کا ثبوت ہے کہ مال دار بھی دین دار ہوسکتے ہیں۔

تاریخ اسلام میں حضرت خدیجہؑ کا نام سرزمین عرب کی سب سے زیادہ دولت مند خاتون کے طور پر درج ہے۔ آپ نے اِس دنیا کی دولت کو آخرت کے لئے استعمال کیا تو آپ قیامت تک 'محسنہ اسلام' کے نام سے یاد کی جاتی رہیں گی۔ آپ کے اِس عظیم کارنامہ سے حضرت علیؑ کا فرمان سمجھ میں آتا ہے جو نہج البلاغہ (حکمت ۱۲۱) میں درج ہے:

"دنیا اور آخرت کے اعمال کا بنیادی فرق یہ ہے کہ: دنیا کے اعمال کی لذت ختم ہو جاتی ہے اور آخرت میں اُس کا حساب باقی رہ جاتا ہے جبکہ آخرت کے اعمال کی زحمت ختم ہو جاتی ہے اور اُس کا اجر و ثواب باقی رہ جاتا ہے۔"

اسلام نے ترکِ دنیا کا درس نہیں دیا بلکہ حُبِّ دنیا سے منع کیا ہے کیونکہ یہ دنیا ایسی ہے کہ اگر انسان اِس کی لالچ میں پڑ جائے تو فرعون کا ملک اور حجاج (لع) و یزید (لع) کا اقتدار بھی کم پڑ جاتا ہے اور کفایت شعاری و قناعت پر آجائے تو جو کی روٹیاں بھی اس کے کردار کا حصہ بن جاتی ہیں۔

سورہ مومنون آیت ۵۱ میں پاکیزہ غذا کھانے اور عمل صالح کا حکم دیا

گیا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ عمل خیر کا جذبہ پاکیزہ غذا ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر کسی کی غذا پاکیزہ نہیں اور اُس کی رگوں میں نجاست وخباثت داخل ہوگئی ہے تو کہیں نہ کہیں اُس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا۔

حرام تنخواہ کھانے والے حرام کاروبار کو اِسی لئے ترک نہیں کرتے کہ مالِ حرام نے اُن سے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت کو سلب کرلیا ہے اور اب وہ راستہ پر آنے والے نہیں ہیں۔

سورہ روم آیت ۴۴ (وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِاَنْفُسِهِمْ یَمْهَدُوْنَ ○) میں ارشاد ہوا کہ جو لوگ نیک عمل کررہے ہیں وہ اپنے لئے (آخرت کی) راہ ہموار کررہے ہیں۔

قرآن کا پیغام یہ ہے کہ آخرت کی تمام راحتیں اِسی دنیا کے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ جو لوگ نیک کام انجام دے رہے ہیں وہ صرف یہیں اچھے نہیں ہوتے بلکہ درحقیقت وہاں کے لئے بھی زمین ہموار کررہے ہیں۔

بچو! ہموار زمین پر چلنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ مشکلات تو اُن لوگوں کے لئے ہیں جنہوں نے زمین ہموار نہیں کی اور آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے۔

جو لوگ اسلام کا یہ پیغام نہیں سمجھے وہ اِس دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور ہر وقت مال و دولت حاصل کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ بہت سے افراد جب ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ انہیں خوب مال و اولاد اور اقتدار مل رہا ہے تو وہ اکثر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کا قانون اور انداز یہ ہے کہ وہ انسان کو امتحان کے طور پر نعمتیں عطا کرتا ہے۔ اگر انسان کفرانِ نعمت،

ظلم اور گناہوں پر گناہ کرتا رہے تو سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ نعمتیں تو آہستہ آہستہ غائب ہو جاتی ہیں اور صرف سزا ہی سزا باقی رہ جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جو اِن نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی زندگی میں لازوال نعمتیں عطا کرتا ہے۔

اب ہم سید العارفین امام علی علیہ السلام کا خط درج کر رہے ہیں جو آپ نے اپنے دورِ حکومت میں اپنے مقرر کیے ہوئے قاضی شُریح بن الحارث کو نصیحت فرماتے ہوئے لکھا تھا۔

حضرت علیؑ کا خط قاضی شُریح کے نام:

جب حضرت علی علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ اُن کے دورِ حکومت میں اُن کے قاضی نے ایک قیمتی مکان خریدا ہے تو آپ نے اُن کو لکھا کہ اگر تم اِس مکان کی دستاویز مجھ سے لکھواتے تو میں اس طرح لکھتا:

یہ وہ مکان ہے جو ایک بندۂ ذلیل نے اُس مرنے والے سے خریدا ہے جسے کوچ کے لئے آمادہ کر دیا گیا ہے۔ یہ مکان دنیائے پُر فریب میں مرنے والوں کے محلّے اور ہلاک ہونے والوں کے خطہ میں واقع ہے۔ اِس مکان کے حدودِ اربعہ یہ ہیں:

پہلی حد آفتوں کے اسباب سے متصل ہے۔ دوسری حد مصیبتوں کے

اسباب سے ملی ہوئی ہے۔ تیسری حد ہلاک کرنے والی خواہشوں کی طرف ہے اور چوتھی حد گمراہ کرنے والے شیطان کی طرف ہے اور اسی طرف اس گھر کا دروازہ کھلتا ہے۔۔۔۔۔

اس سودے پر اُس عقل کی گواہی ہے جو خواہشات کی قید سے آزاد اور دنیا کی محبت سے محفوظ ہے۔ (نہج البلاغہ حصہ دوم مکتوب ۳ کا ایک حصہ)

کیا یہ قیامت نہیں۔؟

کہ انسان دنیا کی بے وفائی اور موت کی مختلف ناگہانی اقسام کا مشاہدہ کر رہا ہے لیکن اس کے باوجود کوئی عبرت حاصل کرنے والا نہیں اور ہر آنے والا دور پچھلے دور کا انجام دیکھنے کے بعد بھی اُسی راستہ پر چل رہا ہے۔

دوبارہ زندہ ہونا:

انسان موت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے مگر اُس کے بعد زندہ ہونا اُس کی سمجھ میں نہیں آتا حالانکہ اس بات کو بڑی ہی عمدہ اور آسان مثال سے خالق حقیقی نے ہمیں سمجھایا اور وہ ہے رات اور دن کا قیام۔

انسان کے جسم میں دو نظر نہ آسکنے والی چیزیں نفس اور روح ہیں۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو نفس نکل جاتا ہے اور روح جسم میں رہتی ہے اور جب انسان مرتا ہے روح اور نفس دونوں نکل جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نیند کو عارضی موت قرار دیا ہے جس کے ذریعہ سے وہ

ہر روز نیند میں موت دیتا ہے اور صبح کو بیدار یعنی زندہ کر دیتا ہے۔ جو لوگ ایک دفعہ کے حشر و نشر کے منکر ہیں اُن کو خدا ہر روز حشر و نشر برپا کر کے دکھاتا ہے۔ اس سے زیادہ سادہ اور عام فہم دلیل قیامت کے دن سب کے ایک ساتھ مر کر بعد میں زندہ ہو کر اٹھ جانے کی کیا ہو سکتی ہے!

اب ہم قرآن میں ایسی مثالیں تلاش کرتے ہیں جن سے مرنے اور گل سڑ جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ثابت ہو۔

قرآنی مثالیں:

خداوند عالم نے قرآن کریم میں بہت سی ایسی مثالیں بیان کیں جن سے دلوں میں اطمینان پیدا ہو اور ہدایت حاصل کرنے کی خواہش رکھنے والے اطمینان کی عظیم نعمت سے محروم نہ رہیں۔

سورہ بقرۃ کی آیت ۲۶۰ میں حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں چار پرندوں کے زندہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ” اور اُس وقت کو یاد کرو جب ابراہیمؑ نے عرض کی تھی کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کیوں کر زندہ کرتا ہے۔ ارشاد ہوا کیا تمہارا ایمان نہیں ہے؟ عرض کی ایمان تو ہے لیکن اطمینان چاہتا ہوں۔ فرمایا تم چار پرندے لو۔ پھر انکے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ملا کر ہر ہر پہاڑ پر ایک ایک حصہ ڈال دو اور پھر اُن کو بلاؤ تو تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے اور یہ سمجھ لو کہ خدا زبردست حکمت والا ہے۔“

اسی طرح اسی سورہ بقرۃ کی آیت ۷۳ میں حضرت موسیٰؑ کے ذریعے

مقتول جوان کا زندہ ہونا بیان کیا گیا:

"پھر ہم نے کہا کہ اس گائے کے ایک حصّہ سے اُس کو مس کر دو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ شاید تمہیں عقل آ جائے۔"

اور سورہ آل عمران کی آیت ۴۹ میں حضرت عیسیٰؑ کے دست مبارک پر مٹی کے پرندے کے جاندار ہو جانے کا ذکر ہے۔

اسی طرح اگر ہم انسان کے مرنے کے بعد زندہ ہونے کی مثال تلاش کریں تو حضرت عزیرؑ کا واقعہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے کہ جب آپ ایک ایسی بستی کے پاس سے گزرے جو تباہ ہو چکی تھی تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اب یہ قوم کس طرح دوبارہ زندہ ہوگی؟ پروردگار نے خود ان کو موت دی اور سو سال کے بعد جب کہ ان کا گدھا گل سڑ گیا تھا دوبارہ زندہ کیا اور پوچھا کہ تم یہاں کتنے دن رہے؟ حضرت عزیرؑ نے جواب دیا کہ ایک دن یا کچھ کم جب کہ وہ سو سال تک مردہ رہے۔

بچو! آپ نے اصحاب کہف کا نام تو سنا ہوگا۔ یہ لوگ ظالم بادشاہ سے ڈر کر بھاگے اور ایک غار میں جا چھپے۔ جہاں خداوند عالم نے اُن پر ایسی نیند طاری کر دی کہ وہ تین سو سال تک سوتے رہے اور پھر خدا نے انہیں بیدار کر دیا۔

ان سب تاریخی حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کتنی مدت بھی گزر جائے اللہ تعالیٰ ہمیں زندہ کر کے حساب ضرور لے گا۔

عقیدہ آخرت کی معراج:

اس میں کوئی شک نہیں کہ رحمتِ الٰہی کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ اس میں مسلم و کافر، دین دار و بے دین سب شامل ہیں۔ یہ ہمیشہ غضبِ الٰہی سے آگے چلتی ہے۔ لیکن قیامت کے دن اس رحمت کا مستحق ہونا آسان نہیں ہے، کیونکہ وہ حساب کا دن ہے اور خدائے واحد و قہار کا دن ہے۔ لہٰذا اُس دن رحمتِ خدا کا مستحق وہی ہوگا جو دنیا میں عمل صالح کرتا رہا۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ میدان کربلا میں حضرت امام حسینؑ کا کردار ''عقیدہ آخرت'' کی معراج ہے۔ آپؑ نے جو قدم اٹھایا اُس نے یہی ثابت کیا کہ دنیا دارِ عمل ہے اور آخرت دارِ جزا ہے۔

امام حسینؑ کے تمام عزیز و اقارب اور اصحاب جو بھی میدان کربلا میں آپؑ کے ساتھ تھے انہوں نے جس طرح مصائب و آلام کا مقابلہ کیا وہ کبھی ممکن نہ تھا مگر یہ کہ اُن سب کا ''عقیدہ آخرت'' درجہ کمال پر تھا۔

''یقین'' کا لفظ لغت میں بھی مل جائے گا اور علماء اس کی وضاحت بھی کرتے نظر آئیں گے مگر جس طرح حضرت امام حسینؑ اور دیگر شہدائے کربلا نے شہادت (گواہی) دیکر یقین کی منزل کو واضح کیا وہ قیامت تک بے مثال ہی رہے گا۔

خداوند عالم ہمارا شمار عزاداران شہدائے کربلا میں فرمائے۔

آمین ثم آمین

عہدنامہ:

(حضرت رسول خدا نے موت سے پہلے اس دعا کے پڑھنے کی تاکید فرمائی)

اے خدا، اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے،
حاضر و غائب کے جاننے والے، اے رحمٰن و رحیم،
میں تیری بارگاہ میں عہد کرتا ہوں کہ
میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ
تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ محمدؐ تیرے بندہ و رسول ہیں۔
قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔
اللہ ہم کو قبروں سے نکالنے والا ہے۔ حساب حق ہے۔
جنت حق ہے۔ خدا نے جن نعمتوں کا وعدہ کیا ہے
چاہے کھانے کی ہوں، چاہے پینے کی ہوں،
چاہے نکاح کی ہوں سب برحق ہیں۔
جہنم برحق ہے۔ ایمان حق ہے۔
دین ویسا ہی ہے جیسا تو نے بیان کیا۔
اسلام ویسا ہی ہے جیسا تو نے بنایا ہے۔
بات وہی ہے جو تو نے کہی ہے۔
قرآن وہی ہے جو تو نے نازل کیا ہے۔

اللہ ہی حق مبین ہے۔
خدایا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ
اِس دارِ دنیا میں میں تجھ کو رب سمجھتا ہوں،
اسلام کو دین مانتا ہوں،
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی مانتا ہوں،
علی علیہ السلام کو ولی اور امام مانتا ہوں۔
قرآن کو کتاب اور اہل بیتِ پیغمبرؐ کو اپنا پیشوا مانتا ہوں۔
خدایا تو ہر شدت میں میرا سہارا، ہر رنج میں میری امید
اور جملہ نازل ہونے والے امور میں میرا ذخیرہ ہے۔
تو نعمتوں میں میرا ولی اور میرا خدا اور
میرے بزرگوں کا خدا ہے۔
محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما اور
مجھے ایک لمحے کے لئے بھی
میرے نفس کے حوالے نہ کر دینا۔
میری قبر میں نور فراہم کرنا۔
اس عہد کو قیامت تک کے لئے محفوظ رکھنا۔

بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہِ الطَّاھِرِیْنَ۔

دعائے خوف و غم

حضرت امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ جب تم کو کوئی مصیبت پہنچے یا کوئی بلا نازل ہو تو مکمل وضو کرو اور دو رکعت یا چار رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا پڑھو۔ فرمایا کہ کوئی شخص اس دعا کو نہیں پڑھے گا مگر یہ کہ خدا اُس سے بلا و مصیبت کو دور کردے گا۔

(حاشیہ مفاتیح الجنان خوف و غم کی دعائیں)۔

يَا مَوْضِعَ كُلِّ شَكْوىٰ وَ يَاسَامِعَ كُلِّ نَجْوىٰ.
وَيَا شَاهِدَ كُلِّ مَلَاٍ وَيَاعَالِمَ كُلِّ خَفِيَّةٍ
وَيَا دَافِعَ مَا يَشَآءُ مِنْ بَلِيَّةٍ.
يَا خَلِيْلَ اِبْرَاهِيْمَ وَ يَا نَجِيَّ مُوْسىٰ وَ يَا مُصْطَفِيْ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ.
اَدْعُوْكَ دُعَاءَ مَنِ اشْتَدَّتْ فَاقَتُهٗ وَ قَلَّتْ حِيْلَتُهٗ،
وَضَعُفَتْ قُوَّتُهٗ دُعَآءَ الْغَرِيْبِ الْغَرِيْقِ الْمُضْطَرِّ الَّذِيْ لَا
يَجِدُ لِكَشْفِ مَا هُوَ فِيْهِ اِلَّا اَنْتَ.
يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

(ترجمہ)

اے ہر فریاد کی منزل، ہر راز کے سننے والے،
ہر جگہ پر حاضر، ہر مخفی بات کے جاننے والے،
ہر بلا کو دفع کرنے والے، ابراہیمؑ کے خلیل،
موسیٰؑ کے دوست، پیغمبرؐ کے انتخاب کرنے والے!
میں تجھ سے ویسی دعا کرتا ہوں
جیسے وہ انسان کرتا ہے جس کا فقر و فاقہ شدید ہو،
جس کی تدبیریں ختم ہوگئی ہوں اور جس کی قوت کمزور ہو۔
میری دعا ویسی ہے
جیسے ایک انسان، غریب، ڈوبنے والا،
مضطر جو اپنے لئے تیرے علاوہ کوئی سہارا نہیں پاتا۔
اے ارحم الراحمین میرے حال پر رحم فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆